جلد ۴ | ۱۵ جولائی سنہ ۱۹۱۶ء | شنبہ | مطابق ۱۳ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۴ھ | نمبر ۳

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی بفضل خدا بخیریت ہیں۔ ہر روز دور کوع درس فرماتے ہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب مالیر کوٹلہ تشریف رکھتے ہیں ؂

کیسی گذشتہ پرچہ میں میاں عبدالرحیم و احمد دین درزی کی تقریبِ زنی کے متعلق حالات لکھے گئے تھے۔ اب اس مقدمہ کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ ملزم تاج دین حجام سکنہ قادیان ایک سال کے لئے اور ملزم نتھے شاہ سکنہ موضع بسراں چھ ماہ کے لئے قید ہو گیا ہے ؂

موسم عموماً خوشگوار ہے کبھی کبھی ترشح ہو جاتا ہے۔
گذشتہ منگل کا پرچہ پریس کے نئے انتظام کیوجہ سے شائع نہ ہو سکا ؂

اخبار احمدیہ

ہمارے مبلغ نظام الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حکیم محمد حسین عرف مرہم عیسیٰ لاہوری نے مجھ سے بمقام لائل پور میرے مکان پر تحریری بات چیت کی تھی۔ جس کی ایک شرط یہ بھی کی تھی۔ کہ بعد اختتام سوال و جواب فریقین کی تحریرات کو جناب میاں صاحب خلیفۃ المسیح علیہ السلام کی خدمت میں فیصلہ کیلئے بھیجدیا جاویگا۔ پھر جس کے حق میں جناب ممدوح فیصلہ فرماوینگے۔ اس کے فریق مخالف کو چاہیئے کہ اپنے عقیدہ سے توبہ کرلے۔ اسکو تقریباً ایک ماہ گذر گیا ہوگا۔ حکیم صاحب نے ابھی تک اس کے جواب میں کچھ نہیں لکھا۔ کیا اب وہ تحریریں شائع کردی جاویں۔ اگر ایک ہفتہ تک انکی طرف سے جواب نہ آیا تو ان شاء اللہ خاموشی نیم رضا سمجھ کر جناب سے فیصلہ کرا کے شائع کیا جاویگا یہ بھی یاد رہے کہ ان کے بار بار کے اصرار سے جناب خلیفہ صاحب رضی اللہ عنہ کو ثالث مقرر کیا گیا تھا ورنہ بندہ تو مولوی محمد علی صاحب کو ثالث چاہتا تھا۔ اگر اب بھی ان کو کوئی اور ثالث منظور ہو تو تحریر فرماویں ؂

ملتان شہر اندرون پاک دروازہ معرفت عبداللہ صاحب احمدی۔ سید محمد عبداللطیف صاحب مبلغ لکھتے ہیں کہ مجھے ایک غرض کے لئے ضلع ملتان کے تمام احمدی احباب کے پتوں کی ضرورت ہے۔ احمدی احباب بہت جلد اطلاع دیکر مشکور فرماویں۔ جس جگہ ایک سے زیادہ احمدی ہوں۔ وہاں کے صرف ایسے بھائی کا پتہ درکار ہے۔ جو کارکن ہو ؂

کوہاٹ میں تبلیغ

حسب ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح نیک محمد خان صاحب کوہاٹ میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ برادرم محمد علی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ باشندگان کوہاٹ میں حرارت پیدا ہو گئی ہے انہوں نے مولوی ثناء اللہ کو بلایا۔ اس نے تین چار روز وہاں قیام کیا۔ مفصل حالات عنقریب ہدیہ ناظرین کرینگے۔ خداتعالےٰ ہمارا اور ہمارے مبلغین کا ناصر و مددگار ہو۔

درخواست دعا

خواجہ احمد صاحب چک نمبر ۴ جنوبی سے تحریر فرماتے ہیں کہ ان کا بچہ فیض احمد بعارضہ بخار سخت بیمار ہے۔ احباب درد دل سے اسکی صحت یابی کے لئے دعا مانگیں۔

کونو نارڑ میں تبلیغ

مولوی غلام رسول صاحب راجیکی نہایت قابل قدر انسان ہیں۔ عرصہ سے سخت بیمار چلے آتے ہیں۔ احباب انکی صحت کے لئے بہت بہت دعائیں کریں۔ باوجود ایسی نازک حالت کے کونو نارڑ تحصیل حافظ آباد میں انہوں نے دو دن ایک مولوی سے مباحثہ کیا۔ باوجود لوگوں کی سخت مخالفت کے آپ کی تقریروں کو بہت دلچسپی سے سنا گیا۔ اور ہر طرح سے مخالف مولوی کو خدا نے نیچا دکھایا۔ حاضرین پر بہت اچھا اثر ہوا۔ چودہری عنایت اللہ صاحب انسپکٹر نے آبدیدہ ہو کر اعلان کیا۔ کہ جو جواہر اس وقت مولوی صاحب نے مجھے دئے کسی مباحثہ میں نہیں دیکھے۔ اور بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ چودہری اسرار خان صاحب بھٹی ساکن موضع بہا کا اس مباحثہ سے پورے طور پر اطمینان حاصل کر کے حضرت مسیح موعود کی نبوت پر ایمان لائے ہیں ان کے احمدی ہونے سے تمام تحصیل اور ان کے خاندان میں ایک شور پڑ گیا ہے۔ خدا ان کو استقامت عطا فرماوے۔ آمین۔ اور لکھتے ہیں کہ دیگر کئی روساء بھی وفات مسیح کے قائل ہو گئے ہیں۔ خداتعالیٰ ہم سب کو مولوی صاحب موصوف کی طرح دین کا جوش عطا فرماوے آمین۔

ٹھوگر گڑھ میں تبلیغ

سوگڑہ ضلع گنگ میں تبارک علی صاحب و مبارک علی صاحب بہت سرگرمی سے تبلیغ سلسلہ میں لگے ہوئے ہیں ایک ٹیچر صاحب اور ان کے ہمراہیوں کو وفات مسیح اور حضرت صاحب کی نبوت کا مسئلہ بدلائل قرآنی ذہن نشین کرایا۔ وہ بھی تحقیق میں سرگرم ہیں۔ ان کے حلقہ میں بھی عام طور پر ان کی وجہ سے چرچا احمدیت کا ہو گیا ہے۔ ہندو اور مسلمان بغرض تحقیق ان کے پاس آتے ہیں۔ خداتعالےٰ ان کو کامیابی عطا فرماوے۔ آمین۔

جنازہ غائب

محمد مولا داد صاحب ٹیچر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کا برادر زادہ محمد عبداللہ فوت ہو گیا ہے۔ اور میاں احمد گھڑی ساز ساکن جہلم کا انتقال ہو گیا ہے۔ احباب جنازہ غائب پڑھیں۔

بوشہر

سے ڈاکٹر محمد حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ برادرم خان محمد صاحب جس نے چند دن ہوئے بیعت کی تھی۔ معاندین سلسلہ کی طرف سے تکلیف میں ہے جو اسے اپنے اثر سے اسبات کیلئے مجبور کر رہے ہیں کہ وہ بیعت فسخ کر دے۔ لیکن اس وقت خدا کے فضل و کرم سے باوجود سخت تکالیف اٹھانے کے وہ قائم ہے۔ احباب دعا فرمادیں کہ خدا تعالیٰ اسے استقامت کی اور زیادہ توفیق دے۔ اور اس کے مخالفین کو سمجھ عطا فرمادے۔ تا اسے تنگ نہ کریں۔

فتاوی احمدیہ

مسمریزم کے متعلق سوال کا جواب

ایک دوست نے سوال کیا کہ کیا میں مسمریزم سیکھ کر اس کے ذریعہ علاج کر سکتا ہوں۔ اس کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح نے یہ جواب دیا ہے کہ مسمریزم سے علاج کا طریق سیکھنا منع نہیں۔ مگر افسوس کہ عموماً اس سے علاج کرنے والے باوجود کثرت سے مریضوں کے شفا پانے کے اپنے کام پر نازاں نہیں ہوتے مگر مسمریزم سے علاج کرنیوالے اپنی ولایت کی طرف اس کام کو منسوب کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک دنیاوی علم ہے۔ اس لئے احتیاطاً واقف کاروں نے اس علم میں پڑنے سے منع کیا ہے۔ ورنہ یہ اور علموں کی طرح ایک علم ہے اور جیسے خیال میں ایک فن میں آدمی سیکھ سکتا ہے اس کے سیکھنے کے لئے کوئی بڑا مجاہدہ نہیں کرنا پڑتا۔

کیا حائضہ عورت قرآن کو ہاتھ لگا سکتی ہے

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا حائضہ قرآن کو ہاتھ لگا سکتی ہے حضور نے اس کا جواب لکھوایا۔ کہ حائضہ عورت کو اجازت نہیں کہ قرآن شریف پڑھے یا ہاتھ لگائے۔

تصحیح

یکم جولائی ۱۹۱۶ء کے پرچہ الفضل میں جو نوٹ بعنوان نشان عبرت شائع ہوا تھا۔ وہ اصل میں یوں ہے کہ محمد حنیف صاحب کے احمدی ہونے کی وجہ سے جنہے ان کے لڑکے کا رشتہ توڑا تھا وہ ہیضہ سے مرگیا ہے اور وہ لڑکی کا دادا تھا۔

دعا کی جائے

سلسلہ احمدیہ کے نہایت مخلص اور عزیز مہر خان صاحب ذوالفقار علی خان صاحب رام پوری ایک ابتلاء میں ہیں۔ احباب درد دل سے دعا کریں کہ خداتعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رکھے۔ اور اس ابتلاء کو ان کے لئے ترقی درجات کا موجب بنائے۔

الخطبہ

حضرت ام المومنین ارشاد فرماتی ہیں کہ ہم ایک شخص کی دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی عمر ۳۵ سال ہے۔ زرگری کا کام کرتا ہے۔ اور بڑا کاریگر ہے۔ ماہواری آمدن پچاس ساٹھ روپے ہے۔ ایک بیوی پہلے موجود ہے۔ تین لڑکیاں ہیں۔ قوم کا ملا جوت ہے۔ جو شخص اپنی لڑکی کی شادی جو پڑھی لکھی ذات الجمال و ذات الدین ہو ایسے آدمی سے کرنا چاہے وہ ہمیں اطلاع دے۔ مکان الگ ہے۔

قابل توجہ سیکرٹری صاحبان انجمنہائے احمدیہ

حضرت صاحب نے جلسہ سالانہ کے متعلق ایک سہ ماہی رپورٹ کی فارم تجویز

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الفضل
قادیان دارالامان ۵ ؍ جولائی ۱۹۱۶ء

ایڈیٹر صاحب اخبار بلٹین کے متعلق

دیگراں را نصیحت خود را فضیحت

دوسروں کو نصیحت اور موعظت کا سبق پڑھانا آسان اور نہایت آسان ہے لیکن اپنے عمل سے نمونہ بنکر دکھانا بہت مشکل۔ اس زمانہ میں ہر ایک وہ شخص جو ہاتھ میں قلم پکڑ سکتا۔ اور سیاہ کرنے کے لئے اپنے پاس کاغذ رکھتا ہے۔ بڑی فراخ دلی سے دوسروں کے لئے پند و نصیحت کے موتی بکھیرنے لگ جاتا ہے۔ مگر جب اس کا اپنا طرز عمل دیکھا جاوے۔ تو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ دیگراں را نصیحت خود را فضیحت کا مقولہ گویا اس کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس کے ثبوت میں ہم اس وقت اخبار بلٹین کو پیش کرنا چاہتے ہیں پچھلے دنوں الفضل میں واقعات اور شواہدات کے رو سے حضرت مسیح موعودؑ اور سر سید احمدؒ کے کاموں کا موازنہ کر کے دکھایا گیا تھا۔ اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے۔ کہ جس قدر کوئی شخص زیادہ مشہور و معروف ہوتا ہے۔ اسی قدر اس کا نام لیتے وقت اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ ہمنے اس مضمون میں ایک دو جگہ سر سیّد کو صیغہ واحد سے مشارٌ الیہ بنایا تھا۔ اصل مضمون اپنے اندر جسقدر صداقت اور واقعیت رکھتا تھا۔ اس کا ثبوت تو اسطرح مل سکتا ہے کہ اس وقت تک کسی اخبار کو اس کے خلاف ایک لفظ لکھنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی۔ لیکن مضمون کے لب و لہجہ کے متعلق بھی سر سید کے کسی بڑے سے بڑے مداح اخبار نے کچھ نہیں لکھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ہماری طرز تحریر ذرا بھی پایۂ تہذیب سے گری ہوئی نہ تھی۔ لیکن اخبار بلٹین نے سر سید کی بناوٹی الفت و محبت میں چور ہو کر لکھ دیا کہ الفضل نے اس سلسلہ مضامین میں سر سید کی بہت بڑی ہتک کی ہے۔ اور مسلمانوں کو ہرگز اس کا قصور معاف نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمیں بلٹین کی اس نیش زنی کے متعلق اسی وقت کھٹک گیا تھا کہ یہ ایسی بغض و عناد اور حسد و عداوت کا نتیجہ ہے۔ جو عام طور پر آریہ اخباروں کو سلسلہ احمدیہ سے ہے۔ لیکن شائد عوام الناس کی نگاہ میں بلٹین کی اس تحریر سے یہ گمان گذرا ہو کہ یہ پرچہ بڑا ہی صلح کل اور ہر ایک فرقہ کے قابل عزت بزرگوں کی عزت کرنے والا ہے۔ کیونکہ جب یہ سر سید کی نسبت جمع کی بجائے واحد کے صیغہ کے صحیح استعمال کو ہتک سمجھ کر برافروختہ ہو سکتا ہے۔ تو یہ خود کسی قوم کے بزرگوں کو مخاطب کرتے وقت کتنا محتاط ہوتا ہوگا لیکن ۲۲ ؍ جون کے پرچہ میں سلسلہ احمدیہ کے متعلق جو کچھ اس اخبار کے ایڈیٹر نے خامہ فرسائی کی ہے۔ اس کو پڑھ کر ہر ایک شخص اس نتیجہ پر پہنچیگا۔ کہ اس زمانہ کے ناصح صرف دوسروں کے لئے زبان نصیحت دراز کرتے ہیں۔ نہ کہ اپنے لئے بھی۔ چنانچہ اخبار مذکور لکھتا ہے۔

> ’’کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جو نیا مذہب چلایا ہے۔ اسکی یوں تو اس وقت ایک درجن کے قریب پارٹیاں ہیں۔ مگر ان میں سے دو سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ایک تو قادیانی جس کے سرغنہ مرزا صاحب کے فرزند مسٹر محمود احمدؒ ہیں۔ اور دوسری لاہوری پارٹی جسکے لیڈر مولوی محمد علی ایم۔ اے اور خواجہ کمال الدین ہیں‘‘

ان الفاظ میں ہمارے پیارے امام حضرت مرزا محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی کی شان مبارک میں ’’مسٹر‘‘ کا ناموزوں لفظ استعمال کر کے مسٹر بلٹین نے جسقدر احمدی جماعت کے ایک کثیر حصہ کی دل آزاری کی ہے۔ اسجگہ ہم اس کے متعلق کوئی مزید نوٹس نہیں لیتے۔ البتہ اتنا پوچھتے ہیں کہ اگر ہم پنڈت دیانند کو مسٹر دیانند اور پنڈت لیکھرام کو مسٹر لیکھرام لکھنے کی جرأت کریں تو ہمارا معاصر اپنی پیشانی پر کسقدر شکن ڈالیگا۔ باقی رہا یہ امر کہ ہمنے سر سید احمد خان کی کوئی ہتک کی ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق ہمارا تو جواب ہے۔ کہ ہمنے کوئی ہتک نہیں کی ہے۔ اور نہ کبھی ہمارا ارادہ ہوا ہے۔ کہ سر سید احمد خاں کی کوئی اور شخص بھی ہتک کرے۔ ہم ان کو ایک معزز انسان جانتے ہیں۔ گو ہم یہ بھی ساتھ ہی کہتے ہیں کہ انہوں نے بعض مذہبی مسائل میں سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ لیکن اخبار بلٹین نے محض دل آزاری کے لئے ہمارے امام محترم کی نسبت جو سخت ہتک آمیز لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ بلٹین کا خود فراموش ایڈیٹر دوسروں پر نکتہ چینی کرنے اور ان کے لئے ناصحانہ فرائض انجام دینے کا کہاں تک مستحق ہے۔ اور اپنے قول کو فعل کے مطابق بنانے کا کہاں تک اہل۔ ہمیں ایڈیٹر موصوف کی سخت الفاظی سے کوئی تعجب نہیں۔ اور نہ ہونا چاہیئے کیونکہ ہمارے ساتھ اس گروہ کی طرف سے ہمیشہ سے یہی سلوک ہوتا آیا ہے۔ لیکن تعجب اس بات کا ہے۔ کہ ایڈیٹر صاحب کو جب ہمارے نہایت محفوظ الفاظ سے سر سید کی گستاخی اور بے ادبی کی بو آگئی تھی۔ تو وہ خود کیوں اسی سنڈاس میں لت پت ہو رہا ہے۔

یہاں تک تو میں یہ بتایا ہے۔ کہ ایڈیٹر صاحب موصوف کے قول اور فعل میں کہاں تک مطابقت ہے۔ اور جو کچھ وہ دوسروں سے چاہتا ہے۔ خود اپنی ذات سے اس کو کس حد تک پورا کرتا ہے۔

کیا حضرت مرزا صاحب نے نیا مذہب چلایا

اب میں اس بات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ کیا حضرت مرزا صاحب نے کوئی نیا مذہب چلایا ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق یہ کہدینا کافی ہوگا کہ یہ ایڈیٹر صاحب کی مذہب اسلام سے بیگانگت اور ناواقفیت کا کھلا کھلا ثبوت ہے یا دیدہ دانستہ مغالطہ دہی۔ اگر ایڈیٹر موصوف اپنے اس بیان میں صادق ہیں تو بتلائیے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے وہ کونسی نئی باتیں مذہب میں داخل کردی ہیں۔ جو اسلام میں پہلے نہ تھیں لیکن وہ یاد رکھے۔ کہ اس کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔ جبکہ حضرت مرزا صاحب آئے ہی اس غرض کے لئے تھے۔ کہ وہ اسلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا کو نصیب ہوا تھا۔ اور جس کی صداقت اس زمانہ میں ناواقفیت اور لاعلمی کی وجہ سے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو چکی تھی۔ اسے آشکارا کریں۔ پس آپ نے اگر وہی اسلام پیش کیا۔ جو اصل اسلام تھا

اور جسے لوگ بھلا چکے تھے۔ اس لئے اس کو مذہب نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ نیا مذہب وہ ہے۔ جو پنڈت دیانند صاحب نے نکالا ہے۔ کیونکہ انہوں نے وہ باتیں ایجاد کی ہیں جن کا منبع اور مخزن صرف ان کا اپنا ہی دماغ ہے نہ کہ ہندوؤں کی مذہبی کتب یا قدیمی ہندوؤں کے اعمال اور عقائد۔ کیا دنیا کے لئے یہ بات نئی نہیں ہے کہ وہ وید جنمیں آگ ہوا۔ پانی وغیرہ کی پرستش کا ذکر ہے۔ اور جنہیں ہزارہا سال سے ویدوں کے ماننے والے پوجتے رہے ہیں آج پنڈت دیانند صاحب فرماتے ہیں کہ ان میں وحدت کی تعلیم دیگئی ہے۔ اور آگ۔ پانی۔ ہوا۔ وغیرہ اشیاء جن کی پرستش کا حکم دیا گیا ہے۔ ان سے مراد پرمیشور ہی ہے۔ پنڈت صاحب کی یہ توجیہہ صحیح مان لی جاتی۔ اگر ان سے پہلے بھی کسی کے وہم وخیال میں آئی ہوتی۔ لیکن ایسا نہ ہونا ثبوت ہے۔ اسبات کا کہ یہ بات جناب پنڈت صاحب ہی کی ایجاد ہے۔ اور جب انکی ایجاد ثابت ہوگئی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ ایک نیا مذہب ہے۔ اسی طرح وید اسبات کی اجازت نہیں دیتے۔ کہ غیر مذاہب کے لوگوں کو اپنے مذہب میں لایا جائے۔ بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شودر ویدوں کی کوئی بات سن پائے۔ تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ پنڈت دیانند صاحب سے پہلے ہندوؤں کی تاریخ میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملسکتی۔ کہ کسی غیر مذہب کے انسان کو ہندوؤں نے اپنے میں شامل کیا ہو۔ یہ تو دور کی بات ہے۔ اس وقت بھی وہ ہندو جنہوں نے پنڈت دیانند صاحب کے ایجاد کردہ مذہب کو اختیار نہیں کیا۔ یعنی سناتن دھرم کے لوگ یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور اس کو ویدوں کے عین مطابق ثابت کرتے ہیں۔ کہ کوئی شخص ہندو مذہب میں داخل نہیں ہوسکتا۔ لیکن پنڈت دیانند صاحب نے شدھی کا دروازہ کھول کر ایجاد بندہ کا ثبوت دیدیا ہے۔ اگرچہ اس میں آریہ سماج کو بھی پہلے مذہبی عقائد اور آبائی تقلید سے اچھی طرح آزاد نہ ہونے کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اور اس وقت تک کی شدھیاں بہت مہنگی اور نقصان دہ ثابت ہو چکی ہیں۔ چنانچہ ایک آریہ سماجی نے حال ہی میں یہ تجویز پیش کی ہے کہ:-

"ہم ساجنوں سے پرارتھنا کرتے ہیں کہ وہ بغیر امتحان کئے کسی بھائی کو شدھ کرنے کا نام نہ لیں۔ ایسے پرش سماج کو سشوبھت کرنے نہیں آتے۔ بلکہ برباد کرنے آتے ہیں"

تاہم شدھی کا لفظ اسبات کا ثبوت ہے۔ کہ یہ صرف پنڈت دیانند صاحب کا ایجاد کردہ ہے۔ ان سے پہلے ہندو اسے جانتے بھی نہ تھے۔ ہمیں اگر مضمون کے طویل ہوجانے کا خوف نہ ہوتا۔ تو ان تمام باتوں کو ناظرین کرام کے روبرو رکھتے جنہیں پنڈت دیانند صاحب کی ذات مبارک سے جنم نصیب ہوا ہے۔ لیکن اب صرف انہی دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ البتہ اگر کسی آریہ سماجی اخبار نے مطالبہ کیا۔ تو ہم انشاء اللہ سب لکھکر بتا دینگے۔ دوم اب ایڈیٹر صاحب بلٹین بتائیں۔ کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کوئی نیا مذہب چلایا ہے یا پنڈت صاحب نے

ایک اور اعتراض کا جواب

ایڈیٹر مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلسلہ احمدیہ کی "اس وقت ایک درجن کے قریب پارٹیاں ہیں" لیکن یہ محض غلط اور صریح جھوٹ ہے۔ اگر ایڈیٹر صاحب مذکور اس کا ثبوت رکھتا ہے۔ تو پیش کرے ورنہ اپنی غلط بیانی سے شرمائے۔ اور اپنے گھر کی خبر لے افسوس کہ اسے دوسرے کی آنکھ کا تنکا تو نظر آگیا لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہ آیا۔ کیا ایڈیٹر صاحب موصوف مجھے اجازت دینگے۔ کہ اگر انہیں اپنے گھر کی واقفیت نہیں تو میں آریہ سماج کی کھچڑی اور اتفاق کا نقشہ ان کے سامنے پیش کردوں۔ یا آریہ مسافر و منشی رام صاحب گوروکل گوروکل کے تازہ واقعات سے نقاب کشائی کر دوں یا پنڈت ٹھاکر دت صاحب اور مہاشہ کرشن صاحب ایڈیٹر پرکاش کے معاملات پر روشنی ڈالوں۔ یا اور اسی قسم کے واقعات سے انہیں آگاہ کردوں۔ اس کے متعلق ان کی طرف سے جواب آنے پر کچھ لکھا جائیگا۔

امید ہے کہ ایڈیٹر صاحب بلٹین ہمارے خلاف ناجائز نکتہ چینی کرنے سے باز آجائینگے۔ لیکن اگر انہیں اسی بات کا شوق ہے۔ تو جیسا کہ ہم ایک دفعہ پہلے بھی بتا دہ اخبار کی نسبت لکھ چکے ہیں۔ اب پھر اخبار کے ذریعہ مطلع کرتے ہیں کہ وہ اپنا پرچہ ہمارے ہاں بھیجا کریں۔ یا کم از کم وہ پرچہ جس میں ہمارے متعلق کچھ لکھا گیا ہو۔

گناہوں کی سزائیں انسان کیا کیا بنتا ہے

ہندوؤں کا عقیدہ ہے۔ کہ ہر ایک انسان جو گناہ کرتا ہے مرنے کے بعد اس کی سزا میں اسے کسی ادنیٰ درجہ کے قالب میں ڈھال دیا جاتا ہے۔ ہندو صاحبان اس وقت تک یہ بات بتانے سے جھجکتے تھے کہ کونسے گناہ کے عوض کونسی جون میں جانا پڑتا ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے۔ کہ منوجی مہاراج نے جن کو پنڈت دیانند صاحب نے بھی اپنے لئے قابل تقلید مانا ہے۔ اس بات کا فیصلہ کردیا ہوا ہے کہ کس کس گناہ کے عوض کون کون قالب ملتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے منوسمرتی کے بارہویں ادھیا شلوک ۶۲ میں لکھا ہے۔ کہ دھان چرانے سے چوہا۔ کانسی چرانے سے ہنس۔ پانی چرانے سے مینڈک۔ شہد چرانے سے مکھی دودھ چرانے سے کوا۔ رس چرانے سے کتا اور گھی چرانے سے نیولا بننا پڑتا ہے۔

پھر شلوک ۶۳ میں لکھا ہے۔ گوشت چرانے سے گدھ۔ چربی چرانے سے بگلا۔ تیل چرانے سے تیل چٹا۔ نمک چرانے سے جھینگر۔ دہی چرانے سے بلاکا۔

شلوک ۶۴۔ ریشمی کپڑے چرانے سے تیتر۔ کپاس چرانے سے سارس۔ گائے چرانے سے گوہ۔ گڑ چرانے سے باگ۔

شلوک ۶۵۔ خوشبودار اشیاء کے چرانے سے چھچھوندر ساگ پات چرانے سے مور۔ پکا اناج چرانے سے کیک موسل چرانے سے مکڑی۔ موٹے کپڑے چرانے سے چکور۔

شلوک ۶۷۔ ہاتھی چرانے سے بھیڑیا۔ پھل چرانے سے بندر عورت چرانے سے ریچھ۔ پینے کا پانی چرانے سے پپیہا گھوڑا چرانے سے اونٹ۔ اونٹ اور دوسرے جانور چرانے سے بکرا اگر یہی کام عورت سے سرزد ہوں تو ان چیزوں کی مادہ کا جسم لیتی ہیں۔

ان حوالجات کی صحت کا ذمہ دار اخبار اہلحدیث کا نامہ نگار ہے اور تناسخ کے قائلین نے انکی تصدیق کی یا اس پر خاموشی اختیار کی۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ

تصدیق المسیحؑ

ایک اعتراض کا جواب

اخبار اہلحدیث سلسلہ عالیہ احمدیہ کے ان دشمنوں میں سے ہے جو اپنی دشمنی اور عداوت کے اظہار کے وقت ہر ایک قسم کی ناروا اور ناجائز کوشش اور سعی کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور عوام الناس کو مغالطہ دینے میں ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔ اس وقت تک یہ فرض مولوی ثناء اللہ صاحب ہی ادا کر رہے تھے۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسی فطرت کا ایک اور انسان بھی اس کام کو انجام دینے میں معروف ہوا ہے۔ افسوس کہ خدائی سلسلہ کے دین تو آموز دشمن نے اس شخص کی تقلید اختیار کی ہے۔ جسکا یہ سودا بہت مہنگا پڑ چکا ہے۔ اور جسکی حالت زار پکار پکار کر دیدۂ بینا کو نصیحت اور عبرت کا سبق پڑھا رہی ہے مجھے اسوقت ضرورت نہیں کہ میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے ان واقعات کے چہرہ سے نقاب کشائی کروں۔ جو اُسے آج تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے پیش آئے ہیں۔ اور جنہیں سے مباحثہ جہلم پور کے قریبی واقعہ نے نہ صرف کفر کا فتویٰ اسپر لگوایا بلکہ عدالت سے ایک سو روپیہ جرمانہ کا بار بھی اس کے کندھوں پر رکھوایا ہے۔ کیونکہ ان حالات سے عام طور پر اکثر لوگ آگاہ ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو سلسلہ احمدیہ کی اس لئے مخالفت نہیں کرتے۔ کہ انہیں یہ سلسلہ باطل معلوم دیتا ہے۔ بلکہ ضد تعصب اور عداوت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ وہ اگر مولوی ثناء اللہ کے واقعات سے واقف ہوتے ہوئے سلسلہ احمدیہ کی مخالفت کا وہی طریق اختیار کریں۔ جو مولوی ثناء اللہ نے کیا ہوا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

اس قسم کے لوگوں میں سے ایک شخص اللہ دتا نامی نے ہمارے خلاف لکھنے کی جرأت کی ہے۔ اور اسی طریق سے کی ہے۔ جس سے آج تک حق اور صداقت کے مخالف کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ اس نے اہلحدیث مورخہ ۱۴ جون ۱۹۱۲ء میں ایک مضمون لکھا ہے۔ جس کا عنوان ہے "مرزا غلام احمدؑ کا اعلان جلدی تمام لوگ داخل ہونگے بزمرۂ اسلام" اس کے متعلق اس نے ازالہ اوہام سے ایک عبارت نقل کی ہے۔ جس میں تحریف کرتے ہوئے اس نے ان لوگوں کو بھی پیچھے ڈال دیا ہے جن کی نسبت قرآن کریم میں آیا ہے۔ یحرفونه من بعد ما عقلوه وهم یعلمون۔ جو الفاظ اس نے نقل کئے ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

"عنقریب وہ زمانہ آنیوالا ہے کہ تم نظر اٹھا کر دیکھو گے۔ کہ کوئی ہندو ان پڑھ دکھائی دے۔ مگر لاکھوں میں ایک ہندو بھی تمہیں دکھائی نہیں دے گا۔ سو تم ان کے جوشوں سے گھبرا کر ناامید مت ہو۔ کیونکہ وہ اندر ہی اندر اسلام قبول کرنے کے لئے تیاری کر رہے ہیں۔ اور اسلام کی ڈیوڑھی کے قریباً پہونچے ہیں" (ازالہ اوہام صفحہ ۳۲)

اس کے مقابلہ میں میں اصل عبارت کو نقل کرتا ہوں جو یہ ہے۔

"عنقریب وہ زمانہ آنیوالا ہے۔ کہ تم نظر اٹھا کر دیکھو گے۔ کہ کوئی ہندو دکھائی دے مگر ان پڑھوں لکھوں میں سے ایک ہندو بھی تمہیں دکھائی نہیں دے گا۔ سو تم ان کے جوشوں سے گھبرا کر نومید مت ہو کیونکہ وہ اندر ہی اندر اسلام کے قبول کرنے کے لئے تیاری کر رہے ہیں۔ اور اسلام کی ڈیوڑھی کے قریب آ پہونچے ہیں"

ان دونوں حوالوں کے جلی الفاظ کا مقابلہ کرنے سے ناظرین کرام پر واضح ہو جائے گا کہ اصل عبارت کیا ہے۔ اور اس کو کس طرح بگاڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ کیا حق پسند لوگوں کے نزدیک یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ سلسلہ احمدیہ کی مخالفت میں لکھنے والے نے اس لئے قلم نہیں اُٹھائی۔ کہ اُسے یہ سلسلہ صداقت سے دور نظر آیا ہے۔ بلکہ محض بغض اور شرارت کے لئے ایسا کیا ہے۔ کیونکہ اگر اس نے حق کے لئے احمدیت کی مخالفت میں یہ لکھا ہوتا۔ تو کبھی ممکن نہ تھا کہ وہ خود باطل سے اپنی تائید چاہتا۔ اور باطل کے سہارے کھڑا ہوتا۔ اس کا ایک صاف اور واضح عبارت کو صریحاً بگاڑ کر پیش کرتا ہوئے ہے اس بات کا کہ اس نے احمدیت کے مقابلہ میں باطل کو اپنے لئے جائز سمجھا۔ اور جب باطل جائز ہو گیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اسکی مخالفت حق کے لئے نہ تھی۔ بلکہ کسی اور ایسی ہی غرض کے لئے تھی۔ جسکو باطل اور ناراستی سے نسبت ہے۔

یہ تو میں نے اس شخص کی دیانت اور امانت کے متعلق تحریر کیا ہے۔ تا ناظرین کو پتہ لگ جائے کہ ایسا شخص حق اور صداقت کی مخالفت کرتے ہوئے کس طرح آنکھوں سے اندھا اور عقل سے بے بہرہ ہو کر اعتراض کرتا ہے۔ اب میں اس کے اعتراض کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جو یہ ہے۔

وہ سال ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے لکھا تھا۔ کہ عنقریب تمام ہندو اسلام میں داخل ہو جائینگے۔ ایک ہندو بھی دکھائی نہیں دیگا۔ وہ اسلام قبول کرنے کے لئے اسلام کی ڈیوڑھی کے قریب آ پہونچے ہیں۔ مگر افسوس قریباً ۲۰ سال گذر گئے۔ اور مرزا جی بھی چلے گئے۔ مگر ہندو اسلام قبول کرنے کے لئے اسلام کی ڈیوڑھی کے قریب کھڑے ہیں۔ نہ مرزا صاحب نے داخل اسلام کیا اور نہ حکیم نورالدین نے داخل اسلام کیا"۔

اس اعتراض کی یہ نوعیت معترض کی تحریف شدہ عبارت کے لحاظ سے بنتی ہے۔ اور اصل عبارت پر مندرجہ بالا الفاظ میں اعتراض نہیں پڑ سکتا کیونکہ اصل عبارت میں یہ الفاظ نہایت صاف اور واضح ہیں کہ:۔

"ان پڑھوں لکھوں میں سے ایک ہندو بھی تمہیں دکھائی نہیں دے گا"

چنانچہ اس وقت یہ بات اپنی صداقت کے درجہ کو پہنچ چکی ہے اس طرح کہ آج سے پچیس تیس سال پہلے ہندوؤں کے جو اعتقادات تھے۔ وہ لکھے پڑھے ہندوؤں کے اب نہیں ہیں۔ اور جوں جوں ان میں تعلیم کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ان کے خیالات میں ایک عظیم الشان تغیر

آتا جاتا ہے۔ کیا یہ بات کسی سے پوشیدہ ہے۔ کہ ایک وہ وقت تھا۔ جبکہ ہندوؤں کا اعتقاد تھا۔ کہ ۳۳ کروڑ دیوتا پرمشیور ہیں۔ پتھر کے بتوں کے آگے سجدہ کرتے تھے غیر مذاہب کے لوگوں کو اپنے میں شامل کرنا ناجائز سمجھتے تھے۔ بیوہ عورت کی شادی ممنوع قرار دیتے تھے۔ چھوت چھات کے سخت پابند تھے۔ لیکن اسوقت تعلیم یافتہ ہندوان سب باتوں کے خلاف ہیں نہ تو وہ ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو مانتے ہیں نہ پتھروں کے آگے سجدہ کرتے ہیں نہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کو اپنے میں شامل کرنا برا سمجھتے ہیں اور نہ بیوہ عورتوں کی شادی کرنیکو ناروا کہتے ہیں۔ نہ ان میں پہلی سی چھوت چھات رہی ہے لیکن کیا ان میں یہ تغیر عظیم ان کے اپنے مذہب نے پیدا کر دیا ہے ہرگز نہیں کیونکہ ان کا مذہب اس کے خلاف تعلیم دیتا ہے۔ اور اس کا وہی حکم ہے جسکو وہ ان معاملات میں ترک کر رہے ہیں۔ پھر وہ کونسی چیز ہے جس نے ان کو اپنے اعتقادات کے بدلنے کے لئے مجبور کیا۔ میں بتاتا ہوں۔ وہ اسلام کی صداقت اور راستی ہے۔ گو وہ زبان سے اِبات کا اقرار نہیں کرتے۔ لیکن دانا انسان دیکھ سکتا ہے۔ کہ اسلام ہی ان کے ان عقائد کی تبدیلی کا باعث ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ گویا اس نہایت قلیل عرصہ میں انہوں نے طوعاً کرہاً اس قدر اسلام کی تعلیم کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ اور دن بدن کر رہے ہیں یہی بات انکی نسبت حضرت مسیح موعود نے لکھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"وہ اندر ہی اندر اسلام قبول کرنے کے لئے تیاری کر رہے ہیں۔ اور اسلام کی ڈیوڑہی کے قریب آ پہونچے ہیں"

یہ الفاظ اپنے اندر اس قدر جامعیت اور حقیقت رکھتے ہیں کہ اگر معترض بغض کو دل سے نکالکر حق کی تلاش کے لئے ان پر غور کرتا۔ تو بجائے اعتراض کرنے کے ان کی صداقت کا معترف ہو جاتا۔ کیا "وہ اندر ہی اندر اسلام قبول کرنے کے لئے تیاری کر رہے ہیں" کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ وہ آہستہ آہستہ اسلام کے اصول اور عقائد کو مانتے جاتے ہیں۔ لیکن کھل کر اسبات کا اظہار نہیں کرتے کہ ہمنے اسلام کے طفیل یہ باتیں حاصل کی ہیں۔ یعنی ان کی یہ تیاری پوشیدہ اور در پردہ ہوگی۔ یہاں تیاری کا لفظ بتا رہا ہے۔ کہ وہ آہستہ آہستہ اسلام کے قریب آتے جائینگے۔ اور انکی یہ تیاری پوشیدہ اور در پردہ ہوگی۔ نہ کہ علی الاعلان۔ اب اگر اس نادان معترض کے خیال کے مطابق اس قلیل عرصہ میں ہی تمام ہندو کھلم کھلا مسلمان ہو چکے ہوتے۔ تو یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کے خلاف ہوتی۔ کیونکہ آپ تو تحریر فرماتے ہیں کہ "وہ اندر ہی اندر تیاری کر رہے ہیں۔" یعنے اول تو یہ کہ ان کا اسلام کے قریب آنا پوشیدہ طور پر ہے۔ اور دوسرے یک لخت وہ اسلام کو قبول نہیں کر لینگے۔ بلکہ کچھ عرصہ اسکی تیاری میں مصروف رہینگے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ تحریر اسی طرح پوری ہوئی۔ اور ہو رہی ہے۔ جسطرح خداتعالےٰ نے آپ کی قلم سے نکلوائی تھی۔ کہ پڑھے لکھے ہندو اپنے مذہبی عقائد کو چھوڑ کر اسلامی اصول کو قبول کر رہے ہیں۔ لیکن انکی زبان اس کا اقرار نہیں کرتی۔ جو اسبات کا ثبوت ہے۔ کہ "وہ اندر ہی اندر اسلام قبول کرنے کی تیاری کر رہے ہیں" جب انکی یہ تیاری مکمل ہو جائیگی۔ تو ظاہرہ مسلمان ہو جائینگے۔

اب معترض سے میں یہ پوچھتا ہوں کہ اگر وہ یہ بات ثابت کردے۔ کہ پڑھے لکھے ہندو اسلامی اصول کو طوعاً کرہاً ماننے کے لئے مجبور نہیں ہو رہے۔ اور اس وقت تک انہوں نے اپنے پہلے عقائد میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ تو اس کا اعتراض درست ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ یہ ثابت نہ کر سکے۔ اور نہیں کر سکتا۔ تو بتلائے کہ یہ انکی طرف سے اسلام کے قبول کرنے کے لئے تیاری نہیں ہو رہی۔ تو اور کیا ہے۔ تیاری کسی جانور کا نام ہے نہیں۔ یہی ہے کہ وہ اپنے آبائی عقائد کو آہستہ آہستہ خیرباد کہتے جائیں۔ اور اسلام کے اصولوں کے دلدادہ ہوتے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہو رہا ہے جس سے ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آج سے کئی سال پہلے جس بات کے متعلق فرمایا تھا۔ وہ آج پوری ہو رہی ہے۔ اور آپکی صداقت کا زبردست ثبوت دے رہی ہے۔

پھر ذرا اگلے الفاظ پر غور کیجئے۔ فرماتے ہیں "اسلام کی ڈیوڑہی کے قریب آ پہونچے ہیں" گویا وہ اپنے گھر سے تو نکل چکے ہیں۔ اور اسلام کے حلقہ میں ابھی داخل نہیں ہوئے۔ اسکی ڈیوڑہی پر کھڑے ہیں۔ کیا یہ الفاظ ہو بہو ہندوؤں پر منطبق نہیں ہوتے۔ اسطرح کہ وہ اپنے آبائی عقائد کو چھوڑنے کی وجہ سے گویا اپنے گھر سے تو نکل چکے ہیں۔ اور چونکہ ابھی انہوں نے اسلام کو بھی جسطرح کہ چاہیئے قبول نہیں کیا۔ اس لئے اس میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ بلکہ اسکی ڈیوڑہی پر کھڑے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہی واضح اور کھلے الفاظ میں ہندوؤں کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ جو ہو بہو پورا ہو رہا ہے۔ لیکن افسوس کہ دنیا کے پردے پر ایسے انسان بھی موجود ہیں۔ جو بجائے فائدہ اٹھانے کے الٹا اعتراض کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ ایک حق بات پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس لئے ایسی منہ کی کھاتے ہیں کہ بہتوں کے لئے عبرت کا موجب ہو جاتے ہیں۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ معترض نے مندرجہ بالا عبارت سے کسطرح حضرت مرزا صاحب کی تکذیب کرنے کی کوشش کی ہے۔ سچ ہے۔ حق کی مخالفت انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔

اصلیت کیا ہے؟

پچھلے دنوں کسی تاج خاں صاحب نے اخباروں میں اعلان کرایا تھا۔ کہ "میں علمائے اسلام کو چھ ماہ کی مہلت دیتا ہوں کہ وہ مجھ کو اس عرصہ میں جلسہ عام میں جہاں پر ہر مذہب وملت کے افراد ہوں۔ سمجھانے کی کوشش کریں ورنہ مجھے اسلام کو خیرباد کہنا پڑیگا۔" یہ اعلان کرنیوالے کو تحقیق حق سے جہانتک تعلق تھا وہ اس کے الفاظ سے ہی ظاہر تھا۔ اس لئے امید نہ تھی کہ کسی کے سمجھانے سمجھے لیکن اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے جسکی فطرت میں ہی ثنائے خود بخود کردن کا خمیر داخل ہے پیغام صلح میں ایک طویل مضمون کی ذیل میں شائع کرایا کہ دو پانچ بجے شام تک کی نہایت سرگرم اور مہذب گفتگو کے بعد تاج خان صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ ایک اسلام ہی

عالم نسواں

اسلام میں عورت سے سلوک

ہمیں جناب میر حامد شاہ صاحب کی معرفت ایک خاتون کا خط موصول ہوا ہے۔ جس نے اخبار "تہذیب نسواں" میں درج شدہ ایک مضمون کی طرف ہمیں توجہ دلائی ہے۔ اور اس بات پر افسوس کیا ہے۔ کہ کیوں ابھی تک قادیان سے شائع ہونے والے کسی اخبار نے اس پر نوٹس نہیں لیا۔ چونکہ تہذیب نسواں کا پرچہ ہمارے ہاں نہیں آتا۔ اس لئے ہم پیشتر ازیں اس کے متعلق کچھ لکھنے سے معذور رہے ہیں۔ اور اب لکھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی عرض کرتے ہیں۔ کہ اگر ہمارے سلسلہ کی قابل اور علم دوست خاتونیں خود دینی مسائل پر خامہ فرسائی فرمائیں۔ تو ان کے لئے اخبار الفضل کے صفحات ہر وقت حاضر ہیں۔ اسطرح ایک تو ان میں علمی مذاق کی ترقی ہو گی۔ جس کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ دوسرے ان کی قلم سے نکلے ہوئے مضامین زیادہ موثر اور فائدہ رساں ہوں گے۔ نیز اگر خاتون موصوف کی طرح دیگر خواتین بھی ہمیں اس قسم کے واقعات سے اطلاع دیا کریں۔ جن میں مستورات کے حقوق کے متعلق اسلام کے خلاف کچھ لکھا گیا ہو۔ تو ہم ان کی طرف خصوصیت سے توجہ کریں گے"۔

(ایڈیٹر)

صرف قرآن میں ہی فطری سوالات کا حل ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ہی ایک ایسا کامل مذہب ہے جو انسان کے فطری سوالات کا جواب دیتا ہے۔ اور اس کی دینی اور دنیوی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے مفید سے مفید ہدائتیں بتاتا ہے۔ اور علی الاعلان پکار پکار کر اپنی طرف توجہ دلاتا ہے اولم یکفھم انا انزلنا علیک الکتاب یتلے علیھم ان فی ذالک لرحمۃ وذکری لقوم یؤمنون۔ کیا قرآن کریم دینی اور دنیوی امور میں ان کی رہبری کے لئے کافی نہیں۔ اس کو تو ہم نے تجھ پر نازل فرمایا۔ جو ان کو سنایا جاتا ہے۔ اس میں رحمت بھری تعلیم ہے۔ اور بڑی بڑی نصائح ہیں اس قوم کے لئے جو اس کی باتیں مانتی اور اس پر عمل کرتی ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم افلا تعقلون۔ ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے۔ جس میں تمہاری عزت اور بڑائی اور شرف ہے۔ پھر تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔ یعنی اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔

قرآن کریم کا اثر قوم عرب پر

قرآن کریم سے تمسک کرنے والی قوم یعنے قوم عرب کی ابتدائی حالت کیا تھی۔ اور قرآن کریم کی پیروی سے ان کی کیا حالت ہو گئی۔ اس کو دیکھ کر ایک مخالف کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ لفظ بلفظ خدا تعالےٰ کی یہ بات پوری ہوئی۔ دنیا میں ان کی حیثیت اس سے زیادہ نہ سمجھی جاتی تھی۔ کہ وہ صرف ایک جیون قوم شمار کئے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ اپنی زبان سے کہتے تھے۔ نحن قوم امیون۔ کہ ہم جاہل بے علم قوم ہیں۔ حالانکہ اپنی زبان سے بہت کم لوگ اپنی جاہلیت کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن قرآن کریم کے تمسک سے ان کا زمین آسمان ہی بدلگیا۔ گویا ایک اژدہا تھا۔ جو ملکوں کو نگل گیا۔

مسلمانوں کی موجودہ حالت

لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے آج وہ دن ہے۔ کہ باوجودیکہ وہی قرآن ان میں موجود ہے جو صحابہؓ میں موجود تھا۔ لیکن یہ ان ثمرات سے محروم ہیں جن سے کہ صحابہؓ نے پرورش پائی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ سلف صالحین کے گھروں میں خدا تعالےٰ نے جو چاہ زمزم لگایا۔ انہوں نے اسکی قدر کی۔ اور کمر بستہ ہو کر انھوں نے اس کے آب صافی کو نکالا۔ اور نوش کیا۔ جس سے ان کو روحانی اور جسمانی حیات نصیب ہوئی۔ مطلب یہ کہ انھوں نے ہمت کی۔ اور اس کی تعلیم پر عمل کیا۔ اور جان توڑ کوششوں سے نفس کا مقابلہ کر کے اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کے انعامات کا مستحق بنا دیا۔ لیکن آج مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کریم کی عظمت نہیں رہی۔ اسی وجہ سے عمل کی توفیق بھی ان سے چھن گئی۔ جسکا نتیجہ یہ ظہور میں آیا۔ کہ وہ تمام انعامات جن کے بصورت عمل کرنے کے یہ وارث ہو سکتے تھے۔ ان سے محروم کر دئے گئے۔ جسمانی طور پر دیکھو۔ تو کوئی بارعب حکومت ان کے ہاتھ میں نہیں رہی سب ایک ایک کر کے چھین لی گئیں۔ برائے نام ٹرکی کی حکومت ہے۔ وہ بھی جرمنی کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنی ہوئی ہے۔

اگر روحانی طور پر دیکھا جائے۔ تو یہ جسمانی حالت سے بھی بدتریں ہے۔ اسلام پر یہ دن آنا تھا۔ اور کیوں نہ آتا۔ جبکہ آنحضرت صلعم نے آج سے تیرہ سو برس پہلے علام الغیوب سے خبر پا کر فرما دیا تھا۔ یاتی علے الناس زمان لایبقے من الاسلام الا اسمہ ولا یبقے من القرآن الا رسمہ۔ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدےٰ علماءھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود۔

کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئیگا۔ کہ اسلام صرف برائے نام رہ جائے گا۔ اور قرآن کے صرف الفاظ ہی الفاظ رہ جائیں گے۔ مسجدیں کثرت سے تعمیر ہو جائیں گی۔ اور ان میں کوئی ہدایت کنندہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس وقت آسمان کے نیچے بری سے بری مخلوق مولویوں کا گروہ ہوگا۔ انہیں سے فتنہ اٹھے گا۔ اور انہیں کے سر پر اسکا وبال بھی پڑے گا۔ چنانچہ اب وہ زمانہ ہے۔ ایک کنجنی سے پوچھو۔ تو وہ یہی کہتی ہے۔ الحمدللہ میں مسلمان ہوں۔ یہ تو حالت اسلام کی ہے باقی رہا قرآن اس کا یہ حال ہے۔ کہ عام طور پر جمعہ کے روز مسجدوں میں مولوی صاحب شعر سناتے ہونگے۔

مجال ہے۔ کہ قرآن کو مس تک کر جائیں۔ اگر کوئی فرقہ بھی قرآن دانی کا ہے۔ تو وہ بھی افلا یتدبرون القرآن کے خلاف مکھی پر مکھی مارنے والا اور خداداد عقل کو پس پشت پھینکنے والا ہے۔ غرض یہی وہ زمانہ ہے جس کے مولوی آنحضرت صلعم کو خدا تعالےٰ کے دربار میں رلائیں گے۔ خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کی فریاد کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔ وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔ آنحضرت صلعم فرمائیں گے۔ اے میرے رب یہ میری وہ قوم ہے۔ جس نے اس قرآن کریم جیسی کتاب کو ترک کر دیا ؛

پھر مسجدیں دیکھو۔ تو قدم قدم پر عدم سے عدم موجود ہیں۔ عام طور پر مولویوں کی حالت ناظرین سے مخفی نہیں۔ ایک سفر میں ہم نے دیکھا۔ کہ ایک مسلمان دو ہندوؤں کے ساتھ ہماری گاڑی میں سوار ہوا۔ ان میں شراب تقسیم ہونے لگی۔ مسلمان کو ہم نے ملامت کی۔ کہنے لگا۔ ہم جی مولویوں سے خوب واقف ہیں۔ تھیٹروں میں وہ ہمارے ساتھ رات کو جاتے ہیں۔ چکلے اور شراب میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ یہ صرف کہنے کی باتیں ہوتی ہیں۔ کہ یہ نہ کرو اور وہ نہ کرو ؛

حضرت خلیفہ اول ؓ ایک مولوی کا ذکر کرتے تھے کہ اُس نے ایک عورت کا عدۃ کے اندر نکاح کر دیا۔ ہم نے اس کو کہا۔ کہ تم نے یہ کیا کیا۔ جواب دیا۔ کہ میں کیا کروں۔ انھوں نے مجھ پر بڑا ظلم کیا۔ ہم نے پوچھا وہ کیا؟ کہا۔ کہ انھوں نے تو چرخا کے برابر ایک روپیہ نکال کر میرے آگے رکھ دیا۔ اب بتاؤ میں نکاح پڑھتا یا نہ پڑھتا۔ غرض مولویوں کی حالت بھی بہت ہی ناگفتہ بہ ہے ؛

خدا کی برگزیدہ قوم

یہی وہ زمانہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ کہ اگر ایمان ثریا پر بھی چلا جائیگا۔ تو ایک فارسی النسل اس کو اتار لائیگا۔ ہر ایک مومن پر اس کی اجابت اور اس کی مدد فرض ہے۔ چنانچہ آج ابن فارسی النسل حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود کے ہاتھ پر جس نے بیعت کی۔ اور اسکی جماعت میں داخل ہوئے کثرت سے ایسے ہیں۔ کہ ان کی حالت کی اصلاح تعجب انگیز ہوئی ہے۔ کیونکہ اُس نے آکر دوبارہ مسلمانوں کا اعتصام بحبل اللہ کرا دیا جس کو وہ بکلی ترک کر بیٹھے تھے لیکن جن لوگوں نے اس برگزیدہ خدا کو قبول نہیں کیا۔ ان کی حالت ابھی تک اس قابل ہے۔ کہ اسلام کے لئے ننگ وعار کا موجب بن رہے ہیں۔ چنانچہ ہمارے پاس ایک خاتون کا خط پہنچا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ:

"اخبار تہذیب نسواں میں ایک مضمون نکلا ہے جس میں ایک لڑکی کی پُر درد داستان ان الفاظ میں درج کی گئی ہے۔ کہ پانچ سال کی عمر میں اسکا نکاح کر دیا گیا تھا جسے چودہ پندرہ سال کا عرصہ ہونے کو آیا ہے۔ مگر تا حال اسکا خاوند نہ تو اُسے اپنے گھر لے جاتا ہے۔ نہ اُسے خرچ دیتا ہے۔ اور نہ ہی طلاق دیتا ہے۔ اس کے متعلق انجمن مستشار العلماء لاہور سے فتوےٰ طلب کیا گیا۔ تو جواب ملا۔ کہ حنفی مذہب میں عورت کو اس مصیبت سے بچنے کے لئے کوئی راہ نہیں"۔

اسلام میں عورت کا درجہ

یہ واقعہ تحریر کرکے وہ خاتون دریافت کرتی ہیں۔ کہ ایسی حالت میں اگر اسلام کا یہی حکم ہے۔ تو کیا اسلام کو عورت کا حامی یا کم از کم اس کے فطری جذبات کو مدنظر رکھنے والا کہا جا سکتا ہے واقعہ میں اگر اسلام کا عورت کے متعلق یہ حکم ہوتا۔ تو کہا جا سکتا تھا۔ کہ اسلام نے عورت پر بہت بڑا ظلم کیا ہے لیکن یہ حکم صرف ان علماء کی اختراع ہے۔ جو اسلام سے بالکل بیگانہ ہیں۔ اس لئے اسلام پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اسلام تو ایسا پاک اور فطرت انسانی کے مطابق مذہب ہے۔ کہ اس کے پیروؤں کو دنیا میں کوئی ایسی تکلیف پیش نہیں آسکتی۔ جسکا کوئی نہ کوئی حل نہ ہو۔ پھر کسطرح ہو سکتا تھا۔ کہ وہ فرقہ اناث جس کے وجود سے عالم انسانیت کی بقا رہے۔ ایسی کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا جاتا۔ کہ اس کے کسی درد و دکھ کا علاج ہی نہ ہوتا۔ اسلام نے عورت کے حقوق کی جسقدر حفاظت کی ہے۔ اس کے مقابلہ میں اور کسی مذہب نے کچھ بھی نہیں کیا۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے عقل کی کمی اور ذہن کی نارسائی کی وجہ سے اس صنف نازک کو زبان شکایت ہلانے کا موقعہ دے ہی دیا۔ اگر یہ نام کے مسلمان شادی کی ضرورت اور مرد وعورت کے تعلقات کو قرآن کریم سے سمجھتے۔ تو کبھی ایسا نہ کرتے خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں عورتوں کے ساتھ سلوک کے متعلق خوب کھول کھول کر بیان فرما دیا ہے۔ اور جس انسان کے زیر نظر قرآن کریم ہو۔ وہ کبھی اپنی بیوی کو شکایت کا موقعہ نہیں دیتا۔ لیکن رونا تو اسی بات کا ہے۔ کہ مسلمانوں نے اس وقت قرآن کریم کو چھوڑ دیا ہے۔ اور نہیں جانتے۔ کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ پھر اگر مسلمان اسلام سے اس قدر بیگانہ ہو چکے تھے۔ تو انہی آیات پر توجہ کرتے جن کا پڑھنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے موقعہ پر ضروری قرار دیا ہے۔ تا انہیں معلوم ہو جاتا۔ کہ ہمیں عورت سے کسطرح سلوک کرنا چاہیئے۔ اور اپنے تعلقات کو کس خوش اسلوبی سے نبھانا چاہیئے۔ ہم آیندہ نمبر میں بتائیں گے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ان میں عورت کو کیا درجہ عطا کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ سلوک کرنے کے متعلق کیا طریق بتایا ہے ؛

تعلیم نسواں کی حالت

گورنمنٹ ہند کے صیغہ تعلیم کی رپورٹ بابت ۱۹۱۴-۱۵ء سے جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ سال زیر رپورٹ میں تمام ہندوستان کے زنانہ سکولوں کی تعداد ۱۹۵۳۶ تھی۔ جو ۱۹۱۴ء کی نسبت بقدر ۱۲۰۱ کے زیادہ ہے۔ لڑکیوں کی تعداد میں گذشتہ سال سے ۴۴۲۹۴ کا اضافہ ہوا ہے۔ اس سال مدراس میں لتھانا ایک سرکاری زنانہ کالج قائم کیا گیا ہے۔ بمبئی میں ایک کالج کے قیام کی تجویز ہو رہی ہے بنگال میں متعدد نئے سکول جاری کئے گئے ہیں۔ صوبہ متحدہ میں کنگ جارج میڈیکل کالج لکھنؤ کی متعلمات کے لئے راجہ تصدق رسول خاں صاحب کی فیاضی سے ایک ہوسٹل کھولا گیا ہے وکٹوریہ سکول لاہور کو گورنمنٹ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے برہما میں لڑکیوں کو گرگہ اور دوسرے مفید کام سکھانے کے واسطے مدرسے جاری کئے گئے ہیں۔ یہ حالات تعلیم نسواں کے حامیوں کے لئے ایک حد تک خوش کن ہیں۔ لیکن افسوس کہ موجودہ تعلیم نسواں کے طریق نے کوئی خوش آیند نتائج پیدا نہیں کئے ؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خطبہ جمعہ

دعاؤں کے قبول ہونے کے وقت سے فائدہ اُٹھاؤ

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ

فرمودہ ۸ جولائی ۱۹۱۶ء

واذا سالک عبادی عنی فانی قریب - اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلھم یرشدون - (۲-۱۸۲)

ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے

ہر ایک کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اس وقت جس خوبی اور عمدگی سے وہ کام ہو سکتا ہے۔ دوسرے وقت میں اس خوبی اور عمدگی سے نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بات چھوٹے چھوٹے کاموں سے لیکر بڑے بڑے کاموں میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ ہر ایک کام اپنے خاص وقت کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ اس وقت میں اگر کیا جائے تو جیسے اعلیٰ درجہ کے نتائج اس سے مترتب ہوتے ہیں دوسرے وقت میں ویسے نہیں ہو سکتے۔ اور بعض کام تو اس قسم کے ہیں۔ کہ اگر ان کے مقررہ وقت پر انہیں نہ کیا جائے۔ تو دوسرے وقت میں ہوتے ہی نہیں۔ ہر شخص اپنے کاموں میں اس بات کو دیکھ لے۔ کہ جس رنگ میں وہ کام کرتا ہے۔ یا جو کام وہ کرتا ہے۔ اسمیں اگر غور کرے گا۔ تو اسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہ اصل ہر ایک کام میں جاری ہے۔ ایک زمیندار اپنے زمیندارے پر غور کر سکتا ہے۔ وہ مختلف کھیتیاں۔ غلے اور ترکاریاں بوتا ہے۔ مگر یہ نہیں ہوتا۔ کہ تمام سال میں جس وقت وہ بیج ڈالے۔ اسی وقت کھیتی تیار ہو جائے۔ گیہوں کے بونے کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ اگر اس وقت وہ نہیں بوتا۔ تو کھیتی نہیں ہو سکتی۔ مقررہ وقت پر اگر دانے بیج ڈالے۔ تو بھی اچھے دانے حاصل کر لیتا ہے مگر بے وقت اگر اعلیٰ درجہ کا بیج ڈالے۔ تو بھی کچھ نہیں ہوگا پھر بعض کھیتیاں تو ایسی ہیں۔ کہ اگر انہیں وقت مقررہ پر بویا جائے۔ تو اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہیں۔ اور اگر دوسرے وقت پر بویا جائے۔ تو ہو تو جاتی ہیں۔ مگر ادنےٰ درجہ کی ہوتی ہیں۔ اور بعض ایسی ہیں۔ کہ اگر انہیں بے وقت بویا جائے۔ تو سبزہ تو ہو جاتا ہے۔ مگر پھل کوئی نہیں آتا۔ یعنی نتیجہ کچھ نہیں نکلتا۔ ہاں اگر اپنے وقت پر انہیں بویا جائے۔ تو ان سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ یہی بات تمام پیشوں میں چلتی ہے۔ یعنے ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ لوہار لوہے کو تپاتا ہے۔ اس کے تپنے کا بھی ایک وقت ہوتا ہے۔ اس وقت کی ضرب جیسی کارآمد اور مفید ہوتی ہے ایسی آگے پیچھے کی نہیں ہوتی۔ اگر زیادہ گرم ہو جانے پر ضرب پڑے۔ تو بھی خراب کر دیتی ہے۔ اور اگر تھوڑے گرم پر پڑے۔ تو بھی۔ لوہار خوب سمجھتا ہے۔ کہ مجھے کس وقت ضرب لگانی چاہیئے۔ تمام کاموں کا یہی حال ہے دیکھو اب جو لڑائی ہو رہی ہے۔ اس کے متعلق بھی اخبار پڑھنے والے خوب جانتے ہیں۔ کہ سلطنتوں کے ذمہ وار اشخاص یہی کہتے ہیں۔ کہ ہم اسوقت کا انتظار کر رہے ہیں جبکہ دشمن کو بالکل کچل دیں۔ یوں تو ہر روز ہی لڑائی ہوتی ہے۔ مگر اس کے خاص خاص وقت بھی مقرر ہوتے ہیں۔ اس وقت کی ضرب لگی ہوئی دشمن کو ہلاک کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اعلیٰ درجہ کا جرنیل وہی سمجھا جاتا ہے۔ جو ایسے وقت کو معلوم کر سکے۔

وقت مقررہ کی حقیقت

میں نے ہر ایک کام کے لئے جو وقت مقرر بتایا ہے۔ وہ کوئی جادو اور ٹونے کی طرح نہیں ہوتا کہ اس کے آنے سے کوئی خاص اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ کام ہو جاتا ہے۔ بلکہ میری اس سے یہ مراد ہے۔ کہ جس وقت کسی کامیابی کے تمام سامان مہیا ہو جاتے ہیں۔ وہی اس کے کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ اگر گیہوں کا دانہ ایک خاص وقت میں بونے سے اُگتا ہے۔ تو اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس وقت اس میں کوئی خاص بات پیدا ہو جاتی ہے بلکہ یہ کہ گیہوں کے اُگنے کے لئے جو سامان ضروری ہوتے ہیں۔ وہ اس وقت مہیا ہو جاتے ہیں۔ اگر وہی سامان کسی دوسرے وقت بھی مہیا ہو سکیں۔ تو اُس وقت بھی ضرور اُگ آئے۔ تو ضروری سامانوں کے مہیا ہونے کا نام وقت مقررہ ہوتا ہے۔ مثلاً انسان کا معدہ ہے رات بھر آرام پاتا ہے۔ صبح کے وقت تمام اعصاب امن اور سکون میں ہوتے ہیں۔ پہلی غذا ہضم ہو چکی ہوتی ہے۔ اور وہ وقت ایسا ہوتا ہے جبکہ معدہ چاہتا ہے۔ کہ اس میں غذا ڈالی جائے۔ اور اعصاب اس بات کے منتظر ہوتے ہیں۔ کہ خوراک کو استعمال کر کے طاقت حاصل کریں۔ اس لئے داناؤں نے یہ مثل بنالی۔ کہ ؎

یک لقمۂ صباحی ✽ بہتر ز مرغ و ماہی

صبح کے وقت ایک لقمہ کھانا دوسرے اوقات میں مرغ اور مچھلی کھانے سے بہتر ہے۔ کیوں اسلئے کہ اس وقت اس لقمہ کو ہضم کرنے کے جیسے ذرائع موجود ہوتے ہیں۔ کسی دوسرے وقت میں ویسے نہیں ہوتے تو وقت مقررہ سے مراد سامانوں کا مہیا ہونا ہے جب کسی کام کے سب سامان مہیا ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اسکا وقت مقررہ ہوتا ہے۔ اور اسوقت اسکا کرنا بہترین نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔

دعا کیلئے بھی وقت مقرر ہیں

میں نے پچھلے دو جمعوں میں دعا کے متعلق کچھ بیان کیا تھا۔ اور بتایا تھا۔ کہ یہ کیسی ضروری ہے۔ اور جو کام اس سے نکل سکتے ہیں۔ وہ اور کسی ذریعہ سے نہیں نکل سکتے۔ آج میں اس بات کے متعلق کچھ بیان کروں گا۔ کہ جس طرح دوسرے تمام کاموں کے لئے ایسے اوقات مقرر ہیں۔ جن میں انہیں کرنے سے بڑے بڑے اعلیٰ ثمرات پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح دعا کے بھی اوقات مقرر ہیں۔ ان وقتوں میں کی ہوئی دعا بھی بہت بڑے نتائج پیدا کرتی ہے۔ اور دوسرے

اوقات میں اس سے دوگنی چوگنی دعا بھی وہ کام نہیں کرتی۔ جو وقت مقررہ کی ایک سیکنڈ کی دعا کر جاتی ہے

مظلوم کی دعا کیوں قبول ہوتی ہے

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اتقوا دعوۃ المظلوم مظلوم کی دعا سے ڈرو۔ کیوں اس لئے کہ اس کی دعا قبول ہونے کا وہ وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ جب وہ اپنے اوپر ہر طرف سے مصائب ہی مصائب دیکھتا اور خدا کے سوا کوئی سہارا نہیں پاتا۔ تو اس کی تمام توجہ خدا ہی کی طرف پھر جاتی ہے۔ اور وہ تمام وکمال خدا ہی کے آگے گر پڑتا ہے۔ اس وقت وہ جو دعا کرتا ہے۔ قبول ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دُعا کے قبول ہونے کے سامانوں میں سے ایک اعلیٰ درجہ کا سامان یہ بھی ہے کہ انسان کی ساری توجہ ہر طرف سے ہٹ کر خدا ہی کی طرف ہو جائے۔ چونکہ مظلوم کی یہی حالت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے لئے یہ بھی ایک ایسا موقعہ ہوتا ہے جبکہ اس کی دعا تمام روکوں کو چیرتی ہوئی آسمان پر جا پہنچتی ہے ٭

مخفی کیفیات

اسی طرح دعا کے قبول ہونے کے اور اوقات بھی ہیں لیکن وہ روحانی ہیں۔ جنکا بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اور پھر ان کا سمجھانا بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ وہ ظاہری سامانوں کی حدبندی کے نیچے نہیں ہوتے بلکہ وہ انسانی قلوب کی خاص حالتیں اور کیفیات ہیں۔ جنہیں وہ انسان محسوس کر سکتا ہے۔ جس پر وہ حالت وارد ہو۔ گو خدا تعالےٰ نے ان کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے بھی سامان مہیا فرما دیئے ہوئے ہیں مگر پھر بھی ان کا بہت کچھ تعلق ذوق سے ہے۔ اس لئے ہر شخص کے لئے ان کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ میں جب حضرت خلیفۂ اوّل سے بخاری پڑھا کرتا تھا۔ تو ایک رویا دیکھا جسکا تعلق اس بات سے تھا۔ کہ ایک حدیث پڑھی جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے وحی کے متعلق پوچھا گیا۔ کہ کسطرح ہوتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ کصلصلۃ الجرس۔ مجھے اس سے تعجب ہُوا۔ کہ گھنٹے کی آواز سے وحی کو کیا تعلق ہے۔ رویا میں مینے ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ مینے دیکھا۔ کہ میرا دل ایک کٹورے کی طرح ہے۔ جیسے مراد آبادی کٹورے ہوتے ہیں۔ اس کو کسی نے ٹھکورا ہے جس سے ٹن ٹن کی آواز نکل رہی ہے۔ اور جوں جوں آواز دھیمی ہوتی جاتی ہے۔ مادہ کی شکل میں منتقل ہوتی جاتی ہے۔ ہوتے ہوتے اس سے ایک میدان بن گیا ہے۔ اس میں سے مجھے ایک تصویر سی نظر آئی۔ جو فرشتہ معلوم ہونے لگا۔ میں اس میدان میں کھڑا ہو گیا۔ اس فرشتہ نے مجھے بلایا۔ اور کہا۔ کہ آگے آؤ۔ جب میں اس کے پاس گیا۔ تو اُس نے کہا۔ کیا میں تم کو سورہ فاتحہ کی تفسیر سکھاؤں۔ مینے کہا سکھاؤ۔ اُس نے سکھانی شروع کی۔ سکھاتے سکھاتے جب ایاك نعبد وایاك نستعین تک پہنچا۔ تو کہنے لگا۔ تمام مفسرین میں سے کسی نے اس سے آگے کی تفسیر نہیں لکھی۔ سارے کے سارے یہاں آ کر رہ گئے ہیں۔ لیکن میں تمہیں اگلی تفسیر بھی سکھاتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے ساری سکھائی۔ جب میری آنکھ کھلی۔ تو مینے اس بات پر غور کیا۔ کہ اسکا کیا مطلب ہے۔ کہ تمام مفسرین نے ایاك نعبد وایاك نستعین تک کی تفسیر کی ہے۔ آگے کی کسی نے نہیں کی۔ اس کے متعلق میرے دل میں یہ تاویل ڈالی گئی۔ کہ ایاك نعبد وایاك نستعین تک تو بندے کا کام ہے۔ جو اس جگہ ختم ہو جاتا ہے۔ آگے اھدنا الصراط المستقیم سے خدا کا کام شروع ہو جاتا ہے تو تمام مفسرین کے اس حصہ کی تفسیر نہ لکھنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ انسان اس حصہ کی تفسیر تو کر سکتا ہے۔ جو انسانوں کے متعلق ہے۔ اور جن کاموں کو انسان کرتا ہے۔ ان کو بیان کر سکتا ہے۔ مگر اس حصہ کی تفسیر کرنا اس کی طاقت سے باہر ہے۔ جسکا کرنا خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ سورہ فاتحہ کے دو حصے ہیں۔ آدھی بندہ کے لئے اور آدھی خدا کے لئے۔ آدھی میں بندہ طالب اور خدا مطلوب ہے آدھی میں خدا طالب ہے۔ اور بندہ مطلوب۔ جس حصہ میں بندہ طالب ہے۔ اور خدا مطلوب اس کے متعلق وہ بتا سکتا ہے۔ اور دوسرا حصہ جو خدا سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے متعلق کچھ نہیں بتا سکتا۔ اور اس حصہ کی کوئی کیفیت نہیں بیان کر سکتا۔ اسی سبب سے سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فتوح الغیب میں لکھا ہے۔ کہ انسان کا قلبی تعلق جو خدا سے ہوتا ہے۔ اس کی نسبت پیر اپنے مرید کا اور مرید اپنے پیر کا پتہ نہیں لگا سکتا۔ کہ کسقدر ہے تو اھدنا سے وہ باریک کیفیات شروع ہوتی ہیں۔ جن کو کوئی انسان بیان نہیں کر سکتا۔ اسی طرح دعا کے متعلق بعض ایسی باتیں ہیں۔ جن کو انسان نہیں بتا سکتا۔ ہاں جس پر وہ وارد ہوتی ہیں۔ وہ انہیں خوب جانتا ہے۔ لیکن بعض باتیں خدا تعالےٰ نے اپنے فضل اور کرم سے انعام کے طور پر لوگوں کو بتا بھی دی ہیں۔ تاکہ وہ لوگ جو قلبی کیفیات سے واقف نہیں ہوتے۔ وہ بھی ان پر عمل کر کے دعا کا مزا چکھ لیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک مظلوم کی دعا ہوتی ہے ٭

وقت کو غنیمت سمجھو

بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جو مصائب اور مشکلات کے وقت اپنے لئے یا دوسروں کے لئے بددعا کر بیٹھتے ہیں۔ اور وہ موقع جو خدا نے ان کو دعا کے قبول کرانے کا دیا تھا۔ کھو دیتے ہیں۔ لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اس وقت جبکہ کوئی مظلوم ہو۔ کسی قسم کی بددعا نہ کرے۔ بلکہ اپنے لئے دعا کرے۔ کیونکہ خدا نے اُسے دعا کرنے کے لئے بہت عمدہ موقعہ دیا ہے۔ اور دعا کے قبول ہونیکا یہ ایک ایسا وقت ہے۔ جسے ہر ایک شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے ٭

دعا کی قبولیت کا دوسرا وقت

اسی طرح دعا کے قبول ہونے کا ایک اور وقت ہے۔ جس کے معلوم کرنے کے لئے بھی باریک کیفیات سے واقف ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور وہ وقت

رمضان کا مہینہ ہے - یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے - اس کو خدا تعالیٰ نے روزوں کے ساتھ بیان فرمایا ہے - جس سے پتہ لگتا ہے - کہ اس کا روزوں سے ضرور بہت بڑا تعلق ہے - اس کے روزوں کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے - کہ جسطرح ایک مظلوم کی ساری توجہ محدود ہو کر ایک ہی طرف یعنی صرف خدا ہی کی طرف لگ جاتی ہے - اسی طرح ماہ رمضان میں مسلمانوں کی توجہ خدا کی طرف ہو جاتی ہے - اور قاعدہ ہے - کہ جب کوئی بہت سی چیز محدود ہو جائے - تو اسکا زور بہت بڑھ جاتا ہے - چنانچہ جہاں دریا کا پاٹ تنگ ہوتا ہے وہاں پانی بڑے زور سے چلتا ہے - اور جہاں چوڑا ہوتا ہے وہاں ایسا زور نہیں ہوتا - کشمیر کے راستہ میں جہلم کا دریا پڑتا ہے - میں نے دیکھا ہے - جہاں پہاڑوں سے تنگ ہو کر گذرتا ہے - وہاں اگر اس میں بڑی بڑی لکڑیاں ڈالدی جائیں - تو بھی ان کو چور چور کر دیتا ہے - لیکن وہی دریا جب نیچے آکر چوڑا ہو جاتا ہے - تو لوگ اس میں تیرتے اور کشتیاں چلاتے ہیں - تو جو چیز پھیلی ہوئی ہو - اس کا زور کم ہوتا ہے - اور جو محدود ہو - اس کا زیادہ - جب کسی انسان کی دعا ایسی حالت میں ہوتی ہے - کہ اس کی نظر بہت سی طرفوں میں جا سکتی ہے - یعنی کبھی وہ سمجھتا ہے - کہ فلاں اسباب سے کامیاب ہو جاؤں گا کبھی فلاں سے - کبھی کسی ذریعہ کو کامیابی کی راہ سمجھتا ہے کبھی کسی کو - ایسی حالت میں اس کی دعا ایک وسیع میدان میں سے گذرتی ہوئی جاتی ہے - مگر جو شخص مظلوم ہوتا ہے - اس کی دعا محدود ہو جاتی ہے +

دعا - خواہش - آرزو اور التجا ان چاروں چیزوں کا ایک بڑا سمندر ہے - جس میں پھیل کر انسان کی دعا کمزور ہو جاتی ہے - مگر مظلوم کے لئے یہ سارے دروازے بند ہوتے ہیں - اور صرف خدا ہی کی طرف کا دروازہ کھلا ہوتا ہے - اس لئے اس کی دعا میں ایسا زور پیدا ہو جاتا ہے - کہ وہ ضرور قبول ہو جاتی ہے اور اس کے رستہ میں جو چیز روک بنتی ہے - اُسے اکھاڑ کر دور پھینک دیتی ہے - تو ایک مظلوم کے لئے وہ سامان مہیا ہو جاتے ہیں - جو دعا کے قبول ہونے کے لئے ضروری ہوتے ہیں - اگر اس وقت سے وہ فائدہ اٹھائے - تو اس کے لئے بڑے نیک نتائج پیدا ہو جاتے ہیں - اسی طرح رمضان کے مہینہ میں وہ اسباب پیدا ہو جاتے ہیں - جو دعا کی قبولیت کا باعث ہوتے ہیں - اور وہ یہ کہ اس مہینہ میں ایک جماعت کا اتحاد ہو جاتا ہے - یوں تو دوسرے دنوں میں بھی مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت ہوتی ہے - جو راتوں کو عبادت کرتی ہے - مگر اس زمانہ میں لوگوں کا اکثر حصہ ایسا ہے - جو تمام رات آرام سے پڑا سوتا ہے - لیکن رمضان کے مہینہ میں سحری کی خاطر سب کو اٹھنا پڑتا ہے - اور جب کوئی اٹھتا ہے - تو سوائے اس کے جو بہت ہی غافل ہو ہر ایک کچھ نہ کچھ عبادت بھی کرتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے - کہ یہ جو مجھے وقت ملا ہے - اس سے فائدہ ہی اٹھاؤں - تو جسطرح ایک چیز میں محدود ہو کر بہت زور پیدا ہو جاتا ہے - اسی طرح ایک جگہ ہر روز ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی [illegible] پڑنے سے بھی بہت زور پیدا ہو جاتا ہے رمضان میں لاکھوں لاکھ انسانوں کی پے در پے دعائیں جب خدا کے حضور پہنچتی ہیں - تو ضرور قبول ہو جاتی ہیں - کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعائیں رد کرنے میں بڑا محتاط ہے - پس ایسی حالت میں اگر ظاہری سامان نہ بھی ہوں - تو بھی خدا تعالیٰ قبول کر لیتا ہے - پھر ان دعا کرنے والوں سے بعض ایسے بندے بھی ہوتے ہیں - جن کی دعائیں خدا کے حضور منظور ہوتی ہیں - اور بعض کمزور بھی ہوتے ہیں - مگر جب سارے ملکر دعائیں کرتے ہیں - تو سب کی قبول ہو جاتی ہیں - اور کمزور بھی کامیاب ہو جاتے ہیں - دیکھو فوجیں لڑتی ہیں ان میں سے سارے سپاہی بہادر نہیں ہوتے مگر ایک پلٹن ایک کمپنی ایک رجمنٹ ایک بٹالین میں سے جب دو تین آدمی بہادری کے تمغے حاصل کر لیتے ہیں - تو ساری بٹالین مشہور ہو جاتی ہے - اب کوئی یہ نہیں کہتا - کہ اس میں کے فلاں فلاں سپاہی بہادر نہیں - بلکہ سب کو مجموعی طور پر بہادر کہا جاتا ہے - اس میں شک نہیں - کہ خاص انعام خاص اشخاص کو ہی ملتے ہیں - مگر عام شہرت میں بزدل بھی شامل ہوتے ہیں - اسی طرح رمضان کے مہینہ میں جب ایک جماعت ملکر دعائیں کرتی ہے - تو کمزوروں کی دعائیں بھی قبول ہو جاتی ہیں +

رمضان میں دعا قبول ہونے کی وجہ

ان دنوں کی دعائیں خاص طور پر مقبول ہوتی ہیں - اس لئے کہ ہزاروں انسانوں کی توجہ ملکر خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہوتی ہے - جسے اللہ تعالیٰ رد نہیں کرتا - پھر تمام جماعت کی جماعت ایک کرب کی حالت میں ہوتی ہے - ایک نہیں دو نہیں بلکہ سارے کے سارے ایسے وقت میں جو کہ آرام حاصل کرنے کا ہوتا ہے - خدا کے حضور کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں - پھر کسطرح ممکن ہے - کہ ان کی دعا قبول نہ ہو - درد اور کرب کی دعا تو ضرور ہی سنی جاتی ہے - چنانچہ حضرت یونس کی قوم کی نسبت لکھا ہے - کہ وہ تباہ ہونے لگی تھی - اور اخیر وقت تک حضرت یونس سے ٹھٹھے کرتی رہی - لیکن جب عذاب کے آثار ظاہر ہونے لگے تو وہ اپنے جانوروں - بیوی - بچوں کو لیکر باہر نکل گئے - اور جنگل میں جا کر جانوروں کے آگے سے چارہ ہٹا لیا - اور بچوں کو ماؤں نے الگ کر دیا - اور مرد و عورت سب اعلیٰ لباس اتار کر سادہ کپڑے پہن کر دعائیں کرنے لگے - ادہر جانور اور بچوں نے چیخنا شروع کر دیا - ادہر مردوں عورتوں نے رو رو کر دعائیں مانگیں - ان کی اس حالت کو دیکھ خدا تعالیٰ نے ان کو بخش دیا - اور ان سے عذاب ٹل گیا - حالانکہ وہ نہ ٹلنے والا عذاب تھا - خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے معاف کرنے کو ایک خاص بات قرار دیا ہے - جس کی وجہ یہی تھی - کہ وہ سب اکٹھے ہو کر خدا کے حضور جھک گئے تھے رمضان میں مسلمانوں کی حالت بھی گویا یونس کی قوم کی حالت ہوتی ہے - آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی - کہ الٰہی میری ساری امت تباہ نہ ہو - اور خدا نے قبول

کرلی تھی۔ میرے خیال میں آپ کی امت کے تباہ نہ ہونے کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ مسلمان رمضان میں جو دعائیں کرتے ہیں۔ وہ ان کی قبول کی جاتی ہیں ؛

پس رمضان کا مہینہ دعاؤں کے قبول ہونے کے لئے ایک خاص وقت ہے نادان ہے جو اس کو غفلت میں کھودے اور بعد میں افسوس کرنے لگے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلۂ خود باید زد -

جو گھونسا جنگ کے بعد یاد آئے اسے اپنے سر پر مارنا چاہیئے

یہ خاص دن ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ اپنے لئے اسلام کی ترقی کے لئے۔ جماعت کی ان مشکلات کے دور ہونے کے لئے جو اس کے رستہ میں حائل ہیں۔ خدا کے فضل کے شامل حال ہونے کے لئے دعائیں کرنے کا تمہیں یہ موقعہ ملا ہے۔ ماہ رمضان میں ان لوگوں کو بھی جاگنے کا موقع مل جاتا ہی جنہیں عام طور پر جاگنے کی عادت نہیں ہوتی۔ اس لئے انہیں بھی اس موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ خدا تعالےٰ کے رحم اور نوازش کو دیکھو۔ انسانوں کے لئے مجبور کر کے ایسے سامان پیدا کرتا ہے۔ کہ جن سے انہیں فائدہ ہو یہی رمضان کا مہینہ دیکھو۔ سب کو جاگنے کے لئے مجبور کردیا۔ گویا خود جگا کر کہدیا۔ کہ لو جو مجھ سے مانگنا ہے۔ مانگ لو۔ کیسا نادان ہے وہ شخص جو اس موقعہ سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ خدا تعالےٰ نے ہمارے لئے سب سامان مہیا کر دئے ہیں باقی ان سے فائدہ اٹھانا یہ ہمارا اپنا کام ہے ؛

سستی ترک کردو

کچھ عرصہ سے میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ ہماری جماعت میں دعائیں کرنے کے متعلق سستی ہوتی جاتی ہے۔ کئی لوگوں کو رویا میں بھی اس سے آگاہ کیا گیا ہے۔ کہ قادیان کے لوگ دعاؤں میں سست ہوگئے ہیں۔ اس سستی کو میں خود بھی محسوس کر رہا ہوں۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہماری جماعت نے اپنی کامیابیاں دیکھ کر سمجھ لیا ہے۔ کہ بس اب ہمارا کام ہوگیا ہے۔ لیکن کیسا نادان ہے وہ شخص جو راستہ میں سست ہوجائے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسی ایک کچھوے اور خرگوش کی کہانی مشہور ہے۔ کہ دونوں ایک جگہ سے ایک مقام کی طرف اس شرط پر روانہ ہوئے۔ کہ کون پہلے پہنچتا ہے۔ خرگوش جلدی جلدی چھلانگیں مارتا ہوا مقررہ مقام سے کچھ ورے جا کر اس خیال سے سوگیا۔ کہ کچھوا یہاں تک بہت دیر کو پہنچیگا۔ اتنا عرصہ میں آرام کرلوں۔ لیکن وہ وہاں ہی سوتا رہا۔ جب کچھوا آہستہ آہستہ مقررہ جگہ پر پہنچ گیا۔ تو اسکی نیند کھلی۔ تو یہ بہت کم عقلی کی بات ہے۔ کہ انسان اپنی ترقی پر فخر کر کے کہدے۔ کہ میری ہمت اور کوشش کی حد ہوگئی ہے۔ دوسری قوموں کو تو جانے دو۔ لاہوریوں کو ہی دیکھو ابھی تک تمہارے راستہ سے دور نہیں ہوئے پس تمہیں سست نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ مومن کبھی سست نہیں ہوتا جب خلافت کے متعلق جب جھگڑا پیدا ہوا۔ تو مینے بہت دعائیں کیں۔ کہ الہی اس کے متعلق حق حق سمجھا دے۔ آخری رات کو ارادہ کیا۔ کہ میں وہاں نہیں جاؤں گا۔ جب فیصلہ ہوجائیگا۔ تب جاؤں گا۔ لیکن جب صبح کو اٹھا۔ تو میری زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔ کہ قل ما یعبؤبکم ربی لولا دعاؤکم۔ یعنے قل سے پتہ لگالیا۔ کہ اگر یہ نہ ہوتا۔ تو گویا ہم کو جھاڑ تھی۔ لیکن اب ہماری تائید میں ہے۔ یعنے خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ کہدو کہ اگر تمہاری دعائیں نہ ہوں تو کیا خدا اسباب کا محتاج ہے۔ کہ تمہاری ترقی تمہارے آرام اور تمہاری یکجہتی کے لئے اسباب مہیا کرے۔ اور تم غافل بیٹھے رہو ؛

پس خوب سمجھ لو۔ کہ اگر تم آہ و بکا اور عجز و انکسار میں سستی کروگے۔ تو خدا کو تمہاری کیا پرواہ ہے۔ انسان خدا کا محتاج ہے۔ نہ کہ خدا انسان کا۔ انسان کو خدا کی ضرورت ہے۔ نہ کہ خدا کو انسان کی۔ ہم فقیر ہیں اور خدا غنی اسلئے ہمیں ضرورت ہے کہ اس کا دروازہ کھٹکھٹائیں۔ نہ کہ وہ ہمیں اپنے فضل اور رحم سے جگائے۔ اور پھر بھی ہم اس سے کچھ نہ مانگیں پس سستی کو چھوڑ کر دعائیں کرنے کی عادت ڈالو۔ کئی لوگ صرف فرضی عبادت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور دعائیں اور ذکر الہی کرنے سے غافل رہتے ہیں۔ مگر یہ بھی دہریت کی ایک رگ ہے جب کوئی قوم ذکر الہی کو چھوڑ دیتی ہے تو ایک فضول چیز کی طرح نکال کر پھینک دی جاتی ہے۔ مدرسہ کے افسروں کو چاہیئے۔ کہ اپنے اندر دعا اور ذکر الہی کرنے کی عادت ڈالیں۔ اور پھر طالب علموں کو اس میں لگائیں۔ تم سب لوگ چوکس اور ہوشیار رہو اور ہمیشہ دعائیں لگے رہو۔ مگر آجکل خاص دن ہیں۔ ان میں ضرور ضرور بہت بہت دعائیں کرو۔ تاکہ خدا تعالیٰ ان روکوں کو ہٹا دے۔ جو ہمارے راستہ میں ہیں ؛

اللہ تعالےٰ ہماری جماعت کو سمجھ دے۔ خصوصاً قادیان کے لوگوں کو۔ کہ دعا کرنے میں کبھی سست نہ ہوں۔ اور یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا کام ہوگیا ہے۔ ہم ہر وقت خدا تعالےٰ کی مدد اور تائید کے محتاج ہیں۔ اور جتنی جتنی ہماری عمریں بڑھتی جاتی ہیں۔ اتنی ہی زیادہ احتیاج بھی ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے کبھی سست نہیں ہونا چاہیئے۔ جسقدر امتحان کے دن قریب آتے ہیں۔ اسی قدر زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے اور اسوقت سست لڑکے بھی چست بن جاتے ہیں۔ تم بھی کسی وقت سست نہ ہو اور کبھی یہ نہ سمجھو۔ کہ ہمارا کام ختم ہوگیا ہے۔ کیونکہ موت تک تمہارا کام ختم نہیں ہوسکتا۔ پس خدا تعالےٰ کے حضور دن رات ایک کرکے عرض کرو۔ اور دعاؤں کو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے۔ غرضیکہ ہر وقت ورد زبان رکھو۔ دعا صرف زبان سے ہی نہیں کی جاتی۔ بلکہ ہر ایک عضو دعا کرتا ہے۔ کیا جب آنکھیں عجز و نیاز سے آنسو بہاتی ہیں۔ تو وہ دعا نہیں ہوتی۔ پھر کیا جب عاجزانہ شکل بنتی ہے۔ تو منہ دعا نہیں کرتا۔ یا جب ہاتھ گھٹنوں پر گرتے ہیں۔ تو دعا نہیں کرتے۔ یا جب کمر خدا کے حضور جھکتی ہے۔ تو دعا نہیں کرتی۔ سب اعضاء پاؤں۔ ماتھا۔ ناک۔ کان۔ انگلیاں سب دعا کرتی ہیں۔ اور سب سے زیادہ دل دعا کرتا ہے۔ پس ہر وقت دعا کی عادت ڈالو۔ عادت سے مراد غفلت کی عادت نہیں۔ بلکہ تکرار کی عادت ہے۔ کہ تمہیں ہر وقت خدا یاد رہے۔ جب ایسا کروگے۔ تو خدا کے فیض کے دروازے تم پر کھل جائیں گے۔ پھر تم دیکھوگے کہ خدا نے سچ کہا ہے۔ واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیؤمنوا بی لعلہم یرشدون۔ خدا تعالےٰ ہمیں دعائیں کرنے کی توفیق دے۔ اور ان کو قبول کر کے ہمیں اپنے فضلوں کا وارث بنائے ؛